© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

مغربی تہذیب کی یلغار

پروفیسر خورشید احمد

اسلام اور مسلمانوں پر مخالف قوتوں کی یلغار کوئی نئی چیز نہیں ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

شرارِ بولہبی اور چراغِ مصطفویؐ کی کش مکش دراصل ایمان اور جاہلیت کی کش مکش ہے اور یہ پہلے دن سے ہے۔ اس کا نمونہ آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے دکھا دیا گیا۔ افراد بدل جاتے ہیں' موضوعات تبدیل ہو جاتے ہیں' ایشوز بھی نت نئے سامنے آ جاتے ہیں۔ زماں کی تبدیلی کے ساتھ مکان کی تبدیلی کو بھی دوام ہے۔ وہ سرزمین جہاں یہ برپا ہو اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن یہ کش مکش تاریخ کا حصہ ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ کش مکش اسلام کی دعوت کا لازمی تقاضا ہے۔ اس کش مکش کا ایک حصہ وہ ہے جو ہمارے اپنے سینے میں نفسِ امارہ اور نفسِ مطمئنہ کے درمیان پیکار سے عبارت ہے۔ پھر یہی کش مکش ہمارے اردگرد' ہمارے گھروں میں' ہمارے محلوں میں' ہمارے ملک میں اور پوری عالمی سطح پر ہو رہی ہے۔ یہ نئی چیز نہیں' بالکل فطری ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کش مکش کو سمجھا جائے' اس کو جانا جائے اور اس کا مقابلہ کیا جائے۔ اس پہلو سے مغرب کی تہذیبی یلغار کے موجودہ دور میں' ان کے اہداف' ان کے طور طریقے اور وہ ہماری جن چیزوں کو نشانہ بنائے ہوئے ہے' اس کا سمجھنا بہت ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تہذیبی یلغار کی اصطلاح میں لفظ 'یلغار' کا استعمال بہت معنی خیز اور مغرب اور اسلامی دنیا کے موجودہ معرکے کی حقیقی کیفیت کا صحیح ترجمان ہے۔ آج جس کیفیت سے ہم گزر رہے ہیں وہ فی الحقیقت یک طرفہ حملے کی صورت ہے۔ فوجی' سیاسی' سماجی' معاشی اعتبار سے قوی تر اور بالادست تہذیبی اور سیاسی قوت ہم پر حملہ آور ہے۔ یہ یک طرفہ جنگ ہے اور اسے یلغار ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ حقائق کی ٹھیک ٹھیک عکاسی ہے۔ جہاں تک تہذیبوں کے درمیان کش مکش کا اور خیالات کے ٹکراؤ کا سوال ہے' یہ ہمیشہ سے رہا ہے۔ افکار کے میدان میں مناظرہ اور مسابقت ایک ابدی حقیقت ہے۔ اقدار کا اختلاف اور موازنہ بھی ازل سے ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ تہذیبوں کے ایک دوسرے کے اوپر اثرانداز ہونے کا یہی وہ طریقہ ہے جس سے افکار جلا پاتے ہیں' نئے تصورات ابھرتے ہیں اور ترقی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ تبلیغ' ترقی' دعوت' شہادتِ حق یہ سب اس کے مختلف پہلو ہیں۔ تہذیبوں کے درمیان مقابلہ اور مسابقت کوئی پریشان کن چیز نہیں ہے۔ میں اس کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ دعوت نام ہی اس بات کا ہے کہ ہم ہر گروہ' ہر فرد' ہر تہذیب' ہر ملک' ہر قوم تک پہنچیں۔ ان کی بات کو سنیں اور اپنی بات سنائیں۔ دلیل سے بات کریں۔ اپنی دعوت کی صداقت کو ثابت کریں اور انھیں اپنے دائرے میں شامل کرنے کی کوشش کریں: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط (النحل ۱۶:۱۲۵) ''اے نبیؐ، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ' اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو''۔

تہذیبوں کے درمیان مسابقت اور ایک دوسرے پر اثرانداز ہونے کی کوشش ایک فطری چیز ہے۔ یہ فطری چیز تشویش کا باعث اس وقت بنتی ہے جب جن دو تہذیبوں یا جن دو قوموں یا جن دو افراد کے درمیان یہ معاملہ ہو رہا ہے وہ دلیل کی بنیاد پر نہ ہو' حقائق کی بنیاد پر نہ ہو' وہ مواقع کی یکسانی کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ ایک گروہ کو بالادستی حاصل ہو کہ وہ دوسرے کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اس پر قوت کے ذریعے سے یا اثرانگیزی کے وہ ذرائع اختیار کر کے جو عقلی اور اخلاقی اعتبار سے درست نہیں ہیں' اسے مغلوب کرنے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے یہ کہہ کر ایسے عمل کا دروازہ بند کر دیا کہ لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔ اقدار میں مقابلہ ہونا چاہیے'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانوں میں مذاکرہ ہونا چاہیے۔ تبادلہ خیال اور ڈائیلاگ انسانی زندگی اور تہذیب کے فروغ کا ذریعہ ہیں، ان کا دروازہ کھلا رہنا چاہیے۔ لیکن نہ آپ ظلم و جبر اور طاقت سے اپنے نظریات اور تصورات دوسروں پر مسلط کریں اور نہ کسی کو اجازت دیں کہ وہ آپ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر محض اپنی قوت اور طاقت کا سہارا لے کر آپ کے عقائد، آپ کی اقدار، آپ کے اخلاق، آپ کے نظامِ زندگی، آپ کے رہن سہن اور آپ کی تہذیب و تمدن پر چھا جائے۔

یہ ہے کش مکش کی اصل نوعیت اور اسی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ تہذیبی کش مکش اور مقابلے کے لیے مغرب کی تہذیبی 'یلغار' کا جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ بہت صحیح ہے۔ اس کے ذریعے وہ کیفیت ہمارے سامنے آجاتی ہے جس سے ہم سب دوچار ہیں۔ آیئے دیکھیں وہ کیفیت کیا ہے؟

مغربی تہذیب سے ہمارا معاملہ اب تقریباً ۵۰۰، ۶۰۰ سال پرانا ہے۔ کوئی نئی چیز نہیں۔ مغربی تہذیب کا عروج چودھویں، پندرھویں، سولھویں صدی میں یورپ میں ہوا اور اسی زمانے میں اسلامی دنیا سے بھی شروع میں تعارف، پھر تعاون، پھر تصادم، پھر غلبہ، پھر اقتدار کے استحکام کے دور آئے، اس کے بعد آزادی کی تحریکیں چلیں، جوابی ردعمل ہوا، مغربی تہذیب کی بالادستی اور اثرورسوخ سیاسی حد تک ختم ہوا اور آزاد مسلمان مملکتیں وجود میں آئیں۔ ہم ان سب ادوار سے گزرے ہیں۔ میں اس وقت پوری تاریخ میں نہیں جا رہا ہوں، صرف اشارہ کر رہا ہوں۔

اس وقت ہم جس دور پر غور کر رہے ہیں اس کا آغاز افغانستان کے جہاد سے ہوتا ہے۔ ایران میں اسلامی انقلاب برپا ہوا، افغانستان پر روس نے فوج کشی کی، اس کا مقابلہ کیا گیا اور پھر نو سال تک وہ تاریخی جدوجہد برپا ہوئی، جس کے نتیجے کے طور پر روس کی پسپائی ہوئی۔ اس سے پہلے کے دور کو ہم سرد جنگ کا دور کہتے ہیں جس میں دو سوپر پاورز تھیں: امریکا اور روس۔ یہ دونوں مغربی تہذیب ہی کے مختلف مظہر تھے۔ لیکن ان کا اپنا اپنا تشخص، بنیاد اور عزائم تھے۔ اور یہ آپس میں بھی متصادم تھے۔

میں ان لوگوں میں سے ہوں جو شرح صدر کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ افغانستان میں جہاد اس علاقے ہی میں نہیں، اس دور کی تاریخ کو بدلنے میں موثر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس وقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے افغان بھائی بہنوں نے اور پوری اسلامی دنیا نے جو جدوجہد کی اور عالمی سیاست کے پسِ منظر میں دنیا کی مختلف سیاسی قوتوں نے جس میں ہمارے مخالف اور دشمن اور مغربی تہذیب کے ایک حصے کے علمبردار امریکا اور یورپ نے بھی شرکت کی وہ صحیح، بروقت اور تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑنے والی جدوجہد تھی۔ البتہ اس جہاد کے آخری دور میں ہماری اور امریکا کی راہیں مختلف ہوگئیں۔ جب امریکا نے یہ محسوس کیا کہ اب روس کے لیے پسپائی کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تو اس نے خالص اپنے تہذیبی اور سیاسی مقاصد کی خاطر اپنے کردار کو تبدیل کر ڈالا۔ اور وہ سیناریو وجود میں آیا جس کا ہدف یہ تھا کہ افغان جہاد کی کامیابی کے ثمرات سے افغان اور مسلمان امت کو محروم کیا جائے۔ ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ افغانستان کی جہادی قوتیں جہاں روس کے خلاف جہاد میں کامیاب اور سرخرو تھیں وہیں وہ اس تبدیلی کو نہ بروقت محسوس کرسکیں اور نہ اس میں اپنا صحیح کردار ادا کرسکیں۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ جس نئے فراز کی طرف بڑھنے والی تھی، نہ بڑھ سکی اور اُمت مسلمہ ایک نئی اندرونی کش مکش اور بیرونی جنگ کی گرفت میں آگئی۔

جس وقت روس نے یہاں سے پسپائی اختیار کی ہے اور ابھی کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے تھے کہ اسلامی قوتیں افغانستان میں مستحکم ہوکر وسط ایشیا اور باقی اسلامی دنیا کو ایک نئی صبح کی طرف لے جانے والے سفر کا آغاز کر رہی ہیں، لیکن نیٹو کے سیکرٹری جنرل نے یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ ''ہم اب یہ صاف دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کے نقشے پر سے سرخ خطرہ ہٹ گیا ہے لیکن سبز خطرہ نمودار ہو رہا ہے''۔ ابھی تو کوئی تبدیلی نمودار نہیں ہوئی تھی، ابھی تو جہادی گروہ باہم دست و گریبان تھے لیکن انھوں نے یہ بات کہنا شروع کر دی۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکا دنیا کی واحد سپر پاور کی حیثیت سے ابھر آیا اور پھر اس کے بعد سے اب تک کا دور یہ وہ دور ہے جس میں نیا نقشۂ جنگ مرتب کیا گیا ہے۔ یہ نقشۂ جنگ عسکری بھی ہے، سیاسی بھی ہے، معاشی بھی ہے، فکری بھی ہے اور ثقافتی بھی ہے۔ اس کے یہ سارے پہلو ہیں۔ کبھی کسی کا پلہ بھاری ہوتا ہے، کبھی کسی کو آگے بڑھایا جاتا ہے، کبھی کسی کو پیچھے ہٹایا جاتا ہے۔ لیکن یہ ہمہ جہتی یلغار اور حملہ جاری ہے اور ۱۱ستمبر کے بعد اپنی کیفیت اور کمیت ہر اعتبار سے گمبھیر سے گمبھیر ہو رہا ہے۔

ترجمان القرآن میں، میں اور میرے ساتھی اس یلغار کے مختلف پہلوؤں کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلسل متوجہ کر رہے ہیں۔ اس پورے زمانے میں' خواہ اس کا تعلق امریکا کے مفکرین سے ہو' جن میں فرانسس فوکویاما' سیموئیل ہنٹنگٹن' ڈینیل پائپس اور دسیوں دوسرے سرگرم جنگ ہیں' اور خواہ وہاں کے تھنک ٹینکس ہوں یا وہ این جی اوز ہوں' جو پوری دنیا میں' خصوصاً مسلم دنیا میں' اس جنگ کے طبل بجا رہے ہیں' ان سب کا ایک ہی مرکزی خیال (theme) ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اب اصل مقابلہ مغربی تہذیب اور اسلام' اسلامی تہذیب' مسلم دنیا اور خاص طور پر اسلامی تحریکوں کے درمیان ہونا ہے۔ آپ ان کی فکر کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ ۱۹۸۹ء میں جب روس نے افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلائیں' تو اسی سال کے اکانومسٹ نے ایک خصوصی مضمون شائع کیا اور اس میں پوری تاریخ انسانی کے ۲۰ اہم لمحات بیان کیے۔ اور ان میں آخری لمحہ روس کی پسپائی کے بعد بننے والا نیا سیاسی اور تہذیبی نقشہ تھا۔ اس میں ایک جملہ بڑا اہم تھا ۔اس نے کہا کہ روس کی فوجیں تو واپس چلی گئیں' دیوار برلن بھی ٹوٹ گئی' اشتراکیت بھی پسپا ہو گئی لیکن کیا ہمارے پاس دنیا کو دینے کے لیے کوئی نیا حیات بخش نظریہ ہے جو اس خلا کو پر کر سکے۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ اس خلا کو پر نہیں کر سکتا۔ اور پھر اپنے مخصوص انداز میں یہ بات کہی کہ البتہ مسلمانوں کو یہ زعم ہے کہ ان کے پاس ایک نظریہ ہے جو اس خلا کو پر کر سکتا ہے۔ گویا کہ یہ تنبیہ (warning) تھی کہ اب کش مکش کا جو نیا آہنگ ہے وہ کیا ہو سکتا ہے۔

اس کے دس سال کے بعد ایک اور دلچسپ چیز اکانومسٹ میں آئی اور وہ یہ تھی کہ انھوں نے یہ بتایا کہ آج سے ایک ہزار سال بعد روس کا ایک مؤرخ گزرے ہوئے ہزار سال کا جائزہ لیتا ہے۔ دو ہزاریے ختم ہو گئے ہیں۔ تیسرا ہزاریہ شروع ہو رہا ہے۔ وہ جائزہ لیتا ہے اور وہ جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ سرد جنگ کے ختم ہونے کے بعد اور روس کی اور اشتراکیت کی پسپائی کے بعد امریکا ایک عالمی کردار لے کر کے اٹھا لیکن اس کے بعد پھر چین اور مسلم دنیا یہ دو نئی قوتیں ابھریں۔ اور اس طرح ایک نئی خلافت قائم ہوئی۔ اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ایسا ہو گا۔ مقصد یہ تھا کہ ایسا نہ ہونے پائے' ہمیں اس کے لیے پیش بندی کرنی چاہیے۔ یہی وہ خیالات ہیں جنھوں نے مغرب کی ذہنی اور فکری فضا بنائی ہے اور آج ان کے تھنک ٹینکس اور سیاسی قیادت سب اس پسِ منظر میں کام کرتے ہیں اور حکمتِ عملی بناتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیں ۱۱ستمبر کا واقعہ اسی پسِ منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ واقعہ کیسے ہوا؟ کس نے کیا؟ کون کون معاون قوتیں تھیں؟ سارے واویلے کے باوجود ان سوالات کا جواب دینے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی ہے اور نہ ہو رہی ہے۔ اس کے برعکس، ۱۹۸۹ء سے ۲۰۰۱ء تک نئے تہذیبی تصادم کی جو فضا بنائی گئی تھی، اس واقعے کو بنیاد بنا کر اس نقشے میں رنگ بھرا جا رہا ہے اور اسے ایک واضح اور متعین رخ دیا جا رہا ہے۔ امریکی صدر نے نائن الیون کمیشن بڑے حیص بیص کے بعد اور بڑے دباؤ کے بعد قائم کیا تھا اور ۱۸ مہینے کی کوششوں کے بعد اس کی رپورٹ گذشتہ دنوں آئی ہے۔ ۶۰۰ صفحات کی رپورٹ پڑھ ڈالیے، اس میں ایک جملہ بھی ان سوالات کے بارے میں نہیں ہے۔ ان کی ساری توجہ اس پر ہے کہ جسے وہ ''اسلامک ٹیررزم'' کہتے ہیں، اس کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ لطف کی بات یہ ہے کہ اس اہم ترین دستاویز میں 'دہشت گردی' نہیں 'اسلامی دہشت گردی' کو مقابلے کی قوت قرار دے کر بتایا گیا ہے ہماری یعنی امریکا کی اور مغربی اقوام کی ساری قوت اور ساری فکر اور ساری کوشش آیندہ اس سے مقابلے کے لیے کیا ہونی چاہیے۔

پچھلے پانچ چھ مہینوں میں تین چار بڑی اہم رپورٹیں آئی ہیں۔ ان میں رینڈ کارپوریشن کی رپورٹ خاص طور پر اہم ہے جس کا میں نے جون ۲۰۰۴ء کے ترجمان القرآن کے اشارات میں ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے ایک اور رپورٹ آئی ہے جس کے بارے میں برادرم سلیم منصور خالد نے مارچ ۲۰۰۴ء کے ترجمان القرآن میں لکھا ہے، ایشیا میں اس کا مکمل ترجمہ قسط وار شائع ہو رہا ہے۔ اب یہ نائن الیون کمیشن کی رپورٹ آئی ہے۔ یہ وہ تمام چیزیں ہیں جن کو بغور پڑھنے اور تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر اس کو اس فکری کام کے پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے جو اس پورے زمانے میں ہوا ہے۔ جہاں تک نائن الیون کمیشن کی رپورٹ کا تعلق ہے میں اس کے صرف دو تین نکات بتا دیتا ہوں۔ ان کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ آج امریکا کے لیے سب سے بڑا خطرہ دہشت گردی ہے۔ دنیا میں جنگوں کا نقشہ اب بدل چکا ہے۔ جنگوں کا جو کردار تاریخ میں رہا ہے اس انداز کی فوج کشی درکار تو ہوگی لیکن قوموں کے درمیان جنگ کی شکل میں نہیں بلکہ دہشت گردی کا تعاقب کیا جائے گا۔ اور پھر وہ یہ مرکزی جملہ لکھتے ہیں کہ یہ نہ سمجھو کہ یہ صرف دہشت گردی ہے، ہمارا اصل ہدف 'اسلامی دہشت گردی' ہے۔ اس طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دہشت گردی کی باقی تمام شکلیں، اس کے مظاہر، حتیٰ کی خود امریکہ کے اپنے نظام کو چیلنج کرنے کے لیے خود امریکی جو دہشت گردی کے راستے اختیار کر رہے ہیں ان سب کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ واحد ہدف 'اسلامک ٹیررزم' ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اسلامک ٹیررزم تو عنوان ہے، اصل چیز وہ نظریاتی بنیادی ڈھانچا (Infrastructure) ہے، جس نے ان کے خیال میں اس دہشت گردی کو اور امریکا کے خلاف نفرت کو جنم دیا ہے اور امریکا کو چیلنج کرنے کا جذبہ اور قوت دی ہے۔ یہاں وہ نام لے کر اسلامی تحریکات خصوصیت سے اخوان المسلمون اور سید قطب کا ذکر کرتے ہیں، ستم ہے کہ امام ابن تیمیہؒ کو بھی اس کا منبع قرار دیتے ہیں۔ جماعت کا نام تو نہیں لیا لیکن حقیقت ہے کہ جن شخصیات اور اسلامی تحریک کا نام لیا ہے وہ امریکی استعمار کے تازہ ہدف کی نشان دہی کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ بہت اہم ہے کہ اس رپورٹ میں جس چیز کو ہدف بنایا گیا ہے وہ محض القاعدہ نہیں بلکہ وہ بنیادی ڈھانچا ہے جو ان کے زعم میں امریکا مخالف فکر اور مزاحمتی تحریکوں کو پروان چڑھا رہا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہی وہ منبع ہے جس سے یہ نیا ذہن، نئے جوان، ان کی مختلف کوششیں سامنے آئی ہیں اور انھی کوششوں میں سے ایک کوشش وہ ہے جو مسلح ہے اور جو دہشت گردی کرتی ہے۔ یہ سارے کا سارا بنیادی ڈھانچا اب امریکا کا اصل ہدف ہے جسے وہ اپنے اقتدار کے لیے اصل خطرہ قرار دے رہے ہیں اور یہ ذہن پیدا کر رہے ہیں کہ گویا جب تک یہ باقی ہے، امریکا محفوظ نہیں ہے!

اس خطرے کے مقابلے کے لیے کیا حکمتِ عملی اختیار کی جائے؟ اس سلسلے میں ایک بڑی اہم کتاب آئی ہے: *Imperial Hubris: Why the West is Loosing War on Terror* جس کے لکھنے والے کا نام نہیں دیا گیا اسے anonymous یعنی گمنام کے نام سے لایا گیا ہے۔ یہ چند ہفتے پہلے آئی ہے۔ دل چسپ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ جسے گمنام بنایا گیا ہے وہ سی آئی اے کا حاضر سروس آفیسر ہے اور اسے باقاعدہ سی آئی اے نے اجازت دی ہے کہ اپنا نام بتائے بغیر یہ کتاب لکھے اور شائع کرے۔ اس اہم کتاب کے ساتھ ہی برطانیہ سے ایک اور کتاب *Collosus: The Price of American Empire* شائع ہوئی ہے، اس کا مصنف وہاں کا مشہور مورخ Niall Ferguson ہے۔ دونوں کتابیں ایک ہی طرز کی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گمنام کی کتاب میں جو نقشۂ جنگ بنایا گیا ہے وہ اس اعتراف پر مبنی ہے کہ امریکا کے خلاف جو نفرت عالم اسلام میں ہے وہ امریکا کی پالیسیوں کی وجہ سے ہے۔ یہ بات کھل کر پورے دھڑلے سے کہی گئی ہے اور اس میں یہ متعین کیا گیا ہے کہ اس نفرت کی وجہ وہ پالیسی ہے جو امریکا نے اسرائیل کی مکمل تائید میں اختیار کی ہے اور اسرائیل کی جو مدد وہ کر رہا ہے، ثانیاً مسلم ممالک کے حکمران جو ظالم و جابر (tyrant) ہیں، وہ ہمارے ساتھ ہیں اور ہم ان کی تائید کر رہے ہیں لیکن مسلمان عوام ان سے ناخوش ہیں۔ تیسرے، چین، روس اور انڈیا جو مسلمانوں کی آزادی کی تحریکوں کو کچل رہے ہیں، لیکن ہماری تائید ان تینوں ممالک کو حاصل ہے۔ اسی طرح افغانستان اور عراق پر قبضہ اور تیل کے ذخائر کو امریکی تسلط میں لانے پر مسلمان اور عرب برافروختہ ہیں۔

اس تمام اعتراف کے بعد وہ کہتا ہے کہ ہمارے سامنے چار سیناریو ہیں۔ پہلا راستہ جس پر صدر بش کار بند ہیں یہ ہے کہ ہم محض قوت کے ذریعے سے، فوج کشی کے ذریعے سے، ان ''دہشت گردوں'' کو بھی اور ان کو پناہ دینے والوں کو بھی ختم کر دیں۔ یہ کام محض انھیں ختم کرنے سے پورا نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے ہمیں قوت کا ایسا استعمال کرنا پڑے گا جس کے نتیجے کے طور پر ہزاروں لاکھوں انسانوں کی جانیں جائیں گی، بستیاں تباہ ہوں گی، نقل مکانی ہوگی اور بالآخران ملکوں پر فوجی قبضہ ہوگا۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنی پالیسیاں تبدیل کریں۔ ان سے بات چیت کریں اور کوئی راستہ نکالیں۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ پہلا ہم کر سکتے ہیں لیکن اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ اور یہ بھی ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ آیا اس سے فی الحقیقت تمام خطرات ختم ہو جائیں گے۔ البتہ اس سے جو کچھ حاصل ہوگا وہ یہ ہے کہ امریکا کو دنیا میں مسلم دنیا میں ایک نئی قابض قوت بننا پڑے گا۔ گویا کہ جس طرح سترھویں، اٹھارھویں، انیسویں اور بیسویں صدی کے وسط تک سامراج قابض تھا وہ راستہ ہمیں اختیار کرنا پڑے گا۔ کیا ہم یہ کر سکتے ہیں؟ اور کیا یہ قبضہ بہت عرصے چل سکتا ہے؟ اور کیا امریکی قوم اس کے لیے مسلسل قربانی دینے کو تیار ہے؟ لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ موصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ دوسرا راستہ بھی ہم اختیار نہیں کر سکتے کہ ہم اپنی پالیسیاں بدل لیں۔ یہ بھی ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ پھر کیا کریں؟

وہ کہتا ہے کہ پھر تیسرا راستہ یہ ہے کہ ہم مسلم دنیا میں قوم سازی، (nation building)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہاں کے نظامِ تعلیم کو، میڈیا کو، نوجوانوں کو، حکمرانوں کو، ان سب کو اپنے زیراثر لائیں۔ یہ کام جمہوریت، آزادروی (لبرلزم) اور Globalization یعنی عالم گیریت کے نام پر کیا جائے۔ اس کا دائرہ کار بڑا وسیع اور متنوع ہے۔ اس میں معیشت ہے، اس میں کلچر ہے، اس میں افکار ہیں، اس میں پارلیمنٹیرینز کی تربیت ہے، اس میں طلبا کے تبادلے ہیں، اس میں میڈیا کو ہرقیمت پر استعمال کرنا ہے۔ یہ 'قوم سازی' کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک چوتھی چیز اور چاہیے، اور وہ یہ ہے کہ امریکا ایک نئی قسم کی سلطنت (imperial power) بنے۔ جس کے لیے اس نے Liberal Empire کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ قابض تو نہ ہوں، لیکن ذہنوں پر قبضہ کریں، معیشت کو گرفت میں لائیں، بین الاقوامی تجارتی کمپنیوں اور این جی اوز کے ذریعے سے معاشرے کو اپنی گرفت میں لے آئیں اور اپنے اثر ورسوخ کو اتنا بڑھا لیں کہ ان ممالک کی قیادتیں اور ان کے کارفرما عناصر آپ ہی کے مطلب کی کہیں۔ ساتھ ہی یہ پیغام بھی دے دیا جائے کہ اگر ہمارے نقشے کے مطابق کام نہیں کرو گے اور ''لبرل میانہ روی'' اختیار نہیں کرو گے تو قوت استعمال کی جائے گی، 'سزا دی جائے گی'۔ لفظ استعمال کیا ہے punishment کا اور اس punishment میں دو چیزیں ہیں ۔ پیش بندی کے طور پر حملہ (preemptive strike) جس کے معنی یہ ہیں کہ جہاں خطرہ محسوس ہو وہاں فوج کشی کر ڈالو۔ کوئی ثبوت ہو نہ ہو، جیسا عراق اور افغانستان میں کیا ہے۔ اور regime change یعنی حکمران مفید مطلب نہ ہوں تو ان کو بدل کر مفید مطلب لوگوں کو اوپر لاؤ۔ یہ وہ نیا ماڈل، نیا نمونہ اور نیا نقشہ ہے جس کے مطابق عمل کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے اقتدار کو قائم رکھیں گے۔

ہم جس مرحلے میں داخل ہوگئے ہیں وہ یہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ اس کا مقابلہ کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے۔ اور یہ میں اس مفروضے پر کہہ رہا ہوں کہ ۱۱ستمبر کا واقعہ مسلمانوں نے کیا تھا اور جسے وہ القاعدہ کہتے ہیں وہ اس کے ذمہ دار تھے۔ گو اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس واقعے کے بعد بن لادن نے، القاعدہ نے، officially انکار کیا تھا کہ ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب امریکا نے طالبان سے مطالبہ کیا کہ بن لادن کو گرفتار کر کے دو تو طالبان نے یہ کہا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے پاس ثبوت لاؤ۔ اور اگر تم ہمیں ثبوت نہیں دینا چاہتے ہو تو کوئی بین الاقوامی عدالتی کمیشن قائم کر دو جس میں تین مسلمان ممالک کے جج ہوں، ان کے سامنے شہادتیں لاؤ۔ اگر وہ طے کرتے ہیں کہ یہ حملہ بن لادن نے کیا ہے تو ہم اسے آپ کو دے دیں گے۔

جو تحقیق آزاد ذرائع سے ہوئی ہے وہ حیران کن ہے۔ خود امریکا کے تجزیہ نگاروں نے یہ بات کہی ہے کہ اگر ان چار حملوں میں صرف یہ ۱۹ ہائی جیکر شریک تھے تو یہ کام ہو نہیں سکتا، جب تک کہ ان کے ۵۰، ۶۰ معاونین امریکا میں زمین پر موجود نہ ہوں اور خصوصیت سے ان ہوائی اڈوں پر جہاں سے یہ جہاز گئے ہیں۔ اس لیے کہ جس precision کے ساتھ، جس چابک دستی سے، ٹھیک ٹھیک نشانے پر اور بڑے مؤثر طریقے سے یہ اقدام ہوا ہے وہ کمپیوٹرائز کیے بغیر ہو نہیں سکتا۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ۷۴۷ جہاز کو ایسے لوگ جن کو Executive Plan چلانے کی تربیت دی گئی ہو وہ فضا میں اس جہاز پر قبضہ کر سکیں، پائلٹ کو ہٹا دیں، اسٹیرنگ پر آجائیں۔ اور پھر نیویارک جہاں دو ہزار فلک بوس عمارتیں تھیں اس میں سے متعین طور پر ایک خاص ٹاور کو اور وہ بھی ایک خاص مقام پر جا کر ہٹ کریں۔ پھر اس کے اٹھارہ منٹ کے بعد دوسرا ٹاور۔ اس کے چالیس منٹ کے بعد پینٹاگون۔ یہ سب ممکن نہیں۔ پینٹاگون کی عمارت تو صرف تین منزلہ تھی۔ اس کے بارے میں جو کتابیں آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خود پہلا اعلان جو وہاں ہوا وہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ ایک میزائل حملہ تھا۔ عمارت کو اگر آپ دیکھیں تو اس میں ایک بہت بڑا سوراخ ہے اور جہاز کا کوئی ملبہ وہاں نہیں پایا گیا۔ اور جس طرح ٹاور پر حملہ کرنے والے جہازوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ جہاز سارا کا سارا تحلیل ہو گیا، پینٹاگون میں یہ ممکن نہیں تھا۔ لیکن ۴۸ گھنٹے کے اندر پینٹاگون نے چھ بار اپنے سرکاری بیان کو بدلا ہے۔ اور بالآخر اسے جہاز قرار دیا۔

اس بارے میں اتنی چیزیں آئی ہیں، میں ان سب کو نظرانداز کرتا ہوں، میں کہتا ہوں مان لیجیے کہ انھوں نے یہ اقدام کیا ہے اور اگر فی الحقیقت انھوں نے ہی کیا تھا، تو میں آپ سے صاف کہنا چاہتا ہوں کہ ان کی جرأت اور سوچ کا فیصلہ تو اللہ کرے گا، لیکن بحیثیت مجموعی مسلمانوں کو اور اسلام کو اس سے نقصان پہنچا ہے۔ اور اس کے نتیجے کے طور پر تاریخ تہذیبی مکالمے کے جس رخ پر جا سکتی تھی وہ متاثر ہوئی ہے۔ اگر ... سمجھتے ہیں کہ مقابلہ کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتائج کے اعتبار سے، اسلام کے مزاج کے اعتبار سے، اسلامی احیا کے امکانات کے اعتبار سے، اسلامی دعوت کے اعتبار سے، اسلامی تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے یہ راستہ مقصد حاصل کرنے کا راستہ نہیں ہے۔ میں فلسطین اور کشمیر کی جہادی تحریک کی بات نہیں کر رہا، میں ٹریڈ ٹاور اور اس قسم کے واقعات پر بات کر رہا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ تمام اسلامی تحریکات کے قائدین نے اس کی مذمت کی اور ۱۲ ستمبر ۲۰۰۱ کو منصورہ سے ایک بیان جاری ہوا جس میں یہ کہا کہ ہم اس دہشت گردی کے اس واقعے کی مذمت کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ اعلان بھی کرتے ہیں کہ دہشت گردی افراد کی طرف سے ہو، گروہوں کی طرف سے ہو یا حکومتوں کی طرف سے ہو، مساوی طور پر قابلِ مذمت ہیں۔ اصل مسئلہ دہشت گردی نہیں، بلکہ وہ اسباب ہیں، وہ ناانصافیاں ہیں، وہ ظلم ہیں اور وہ مسائل ہیں جو لوگوں کو دھکیل دھکیل کر غلط راستے کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اور جب تک ان معاملات کو حل نہیں کیا جائے گا دنیا میں امن اور سلامتی کا وجود عنقا رہے گا۔

تحریکِ اسلامی کا یہ ذہن ہے اور یہی ذہن حق پر مبنی ہے۔ جہاں مظلوم مجبور ہو کر تشدد کا راستہ اختیار کرتا ہے، دنیا بھر کی تحریکاتِ اسلامی اس کی کیفیت، اس کے احساسات، اس کے جذبات کو محسوس کرتی ہیں۔ لیکن تبدیلی اور اسلامی انقلاب اور اسلامی احیا کا راستہ تشدد اور دہشت گردی کا راستہ نہیں ہے۔ راستہ وہی ہے جو اسلامی تحریکات نے سنت نبویؐ اور قرآنی منہج کو سامنے رکھ کر مرتب کیا ہے۔ جہاد کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں۔ جہاد تو انصاف کے قیام، اللہ کے کلمہ کی بلندی اور اخلاقی اقدار کے احیا کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے۔

اس پس منظر میں، میں اپنی بات کو سمیٹتے ہوئے یہ کہوں گا کہ سب سے پہلی چیز دشمن کو جاننا ہے۔ دشمن کے ہتھیاروں کو جاننا ہے، دشمن کے اسالیب اور طریقوں سے واقفیت حاصل کرنا ہے، اور ان راستوں اور طریقوں کی تفہیم ہے جن سے یہ یلغار ہو رہی ہے۔ یہ ہمہ جہتی یلغار ہے، یہ فکری بھی ہے، یہ تعلیمی بھی ہے، یہ ٹکنالوجیکل بھی ہے، یہ معاشی بھی ہے، یہ سیاسی بھی ہے، یہ فوجی بھی ہے۔ اس میں میڈیا بڑا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ہمارے گھروں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں اور بچوں کو ہدف بنایا جا رہا ہے۔

یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ کھلے دشمن کا مقابلہ آسان ہوتا ہے لیکن جب دشمن آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اندر سے ایسے عناصر کو استعمال کرے جن کا نام اور چہرے آپ جیسے ہوں تو یہ خطرہ اور یہ لڑائی زیادہ گمبھیر اور زیادہ مشکل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے کفار کے بارے میں جتنی باتیں کہی ہیں ان سے زیادہ منافقین کے بارے میں کہی ہیں۔ ہماری یہ جنگ تصادم و یلغار صرف باہر سے نہیں' یہ اندرونی سبوتاژ بھی ہے۔ آپ دیکھیے کہ مدارس کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ نظامِ تعلیم کو بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

وہ مسلم دنیا کو چار گروہوں میں پیش کر رہے ہیں۔ ایک کو وہ کہتے ہیں بنیاد پرست۔ جو ان کی نگاہ میں دہشت گرد ہیں۔ دوسرے کو وہ کہتے ہیں قدامت پرست۔ جو ہیں تو روایت اور اسلامی اقدار کے حامی لیکن وہ کوئی بڑا چیلنج نہیں ہیں۔ بس وہ اپنی روایات کے علم بردار ہیں۔ تیسرے ہیں ماڈرنسٹ' لبرل اور چوتھے ہیں کھلے کھلے سیکولرسٹ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان کو آپس میں لڑانا چاہیے۔ ساری قوت ہماری اس پر صرف ہونی چاہیے کہ اسلام کو ایک روشن خیال میانہ روی کے مذہب کے طور پر پیش کیا جائے۔ ہم ان کی تائید کریں اور ان کی تقویت کا ذریعہ بنیں۔ ان کے ذریعے ہم مسلمان معاشرے کو اندر سے تباہ کریں۔

تو یہ حملہ باہر سے بھی ہے اور اندر سے بھی ہے۔ اور مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی قوتوں کو استعمال کیا جارہا ہے۔

اس کا مقابلہ کرنے کے لیے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ہم دشمن کو سمجھیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ایک ہمہ جہتی حکمت عملی بنائیں' محض کسی ایک ٹارگٹ کو نہ لیں۔ اور تیسری چیز یہ ہے کہ ہم ہر میدان میں مقابلہ کریں اور اس کی تیاری کریں۔ مقابلے کے ساتھ ساتھ ڈائیلاگ اور مذاکرہ بھی کریں۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ آخری حل مذاکرات سے نہیں ہوگا۔ اپنے صحیح وقت پر ایک ہمہ گیر معرکے کے لیے آپ کو تیار رہنا ہے۔ لیکن وہ تیاری دہشت گردی کے اقدامات کے ذریعے نہیں ہو سکتی اور نہ یہ اس کے ممد و معاون ہو سکتے ہیں۔ اس کا راستہ یہ ہے کہ عوامی جدوجہد کے ذریعے اپنے اپنے ملک میں اسلامی قیادت کو اوپر لائیں اور پھر ان ممالک کو اسلام کا حقیقی قلعہ بنائیں۔ یہی وہ جنگ ہے جو پاکستان میں ہم لڑ رہے ہیں۔ اور یہی وہ جنگ ہے جو تحریکِ اسلامی ہر ملک میں لڑ رہی ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جس سے ہم اس تہذیبی تصادم کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقتی جنگ نہیں ہے یہ کوئی شارٹ ٹرم جنگ نہیں ہے۔ بلا شبہ اس کے وقتی تقاضے بھی ہیں اور شارٹ ٹرم تقاضے بھی ہیں لیکن اصل جنگ لمبی ہے اور ہمیں اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کرنا ہے اور پوری بالغ نظری کے ساتھ اس کام کو انجام دینا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم چیز اُمت کو اسلام کی بنیاد پر فکری' عملی' اخلاقی' نظریاتی' تعلیمی' معاشی' تہذیبی ہر اعتبار سے مضبوط تر کرنا ہے۔ اس کے رشتے کو ایک طرف اللہ تعالیٰ سے اس طرح جوڑنا ہے کہ صرف اس کی مدد پر ہمارا بھروسہ ہو تو دوسری طرف اس کے فراہم کردہ وسائل کو اس کے بتائے ہوئے دین کی سربلندی اور اہداف کے حصول کے لیے منظم اور مرتب کرنا ہے۔ جن کو دنیا میں بڑی طاقتیں کہا جاتا ہے وہ عارضی اور بالآخر فنا ہونے والی ہیں۔ باقی رہنے والی قوت صرف حق کی قوت ہے۔ اللہ پر بھروسا اور اُمت کی صحیح خطوط پر تیاری ہی وہ راستہ ہے جس سے اس یلغار کا مؤثر مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے ایمان' مادی اور اخلاقی قوت' اتحاد اور باہمی تعاون اور سب سے بڑھ کر مسلسل اور صبر آزما جدوجہد درکار ہے۔ اقبال نے مسجد قرطبہ کے سائے میں جو پیغام اُمت مسلمہ کو دیا تھا وہ اسی جدوجہد کا پیغام تھا ؎

جس میں نہ ہو انقلاب' موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات' کشمکشِ انقلاب

اور یہ منزل رب سے تعلق' اسوہ نبویؐ کے مطابق جدوجہد' اور ہر قربانی کے لیے تیاری ہی سے حاصل ہو سکتی ہے ؎

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

یہی وہ صحیح حکمتِ عملی ہے جس سے مغربی تہذیب کی اس یلغار کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ تحریر منصورہ میں منعقدہ تربیتی اجتماع میں ۱۱ اگست ۲۰۰۴ء کو کی گئی تقریر پر مبنی ہے۔ ساجد بھٹی نے کیسٹ سے کمپوز کیا۔ کیسٹ سمع و بصر' منصورہ' لاہور سے دستیاب ہے۔ قیمت ۲۵ روپے

© rasailojaraid.com